کی تقسیم تو واضح کردی ہے لیکن یہ رسالہ پڑھ کر بھی قاری زمان و مکان کے مفہوم سے بے خبر رہتا ہے۔

الطلاق مرّتٰن از حضرت مولانا تمنا عمادی۔ صفحات ۱۴۴۔ کاغذ طباعت معمولی۔ کتابت کی غلطیاں بہت۔ قیمت اور ملنے کا پتہ درج نہیں۔

علّامہ تمنا نے اس کتاب میں سورۂ بقر کی آیات ۲۲۸ تا ۲۳۱ کی تفسیر لکھی ہے۔ مصنف کے سامنے اس کی تمام تفاسیری کتب اور تمام متعلقہ تفسیری روایات ہیں لیکن یہ کتاب ان سب سے ہٹ کر اور خالی الذہن ہو کر لکھی ہے۔ مولانا پورے غور و خوض کے بعد جس نتیجے پر پہنچے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ تین طلاقوں کا رواج جاہلیت کا رواج تھا۔ قرآن نے اسے الطلاق مرتٰن الخ فرما کر ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔ لہذا

۲۔ اب جو طلاق بھی ہوگی وہ رجعی ہی ہوگی۔ اگر ایک طلاق ہوگی تو اس کا مطلب ہے ارادۂ تسریح (علاحدگی) کا اظہار۔ اور اگر دوسری بھی ہو تو اس سے مراد ارادے کی تاکید ہوگی۔

۳۔ اس ایک یا دو رجعی طلاق سے زیادہ جتنی بھی طلاقیں دی جائیں گی وہ لغو اور بے اثر ہوں گی ٹھیک اسی طرح جس طرح ہمارے فقہا تین سے زیادہ طلاقوں کو بے معنی سمجھتے ہیں۔

۴۔ اس طلاق رجعی کے بعد شوہر کے لیے ضروری ہے کہ یا تو اختتام عدّت سے پہلے رجوع کرے یا بیوی کو علاحدہ کردے۔ رجوع کو قرآن نے امساک بمعروف کہا ہے اور علاحدہ کرنے کو تسریح باحسان فرمایا ہے۔

۵۔ اگر عدّت ختم ہو جائے اور ختم ہونے سے پہلے رجوع نہ کیا جائے تو عدّت ختم ہوتے ہی تسریح ہو جائے گی۔

۶۔ کوئی بھی طلاق ایسی نہیں جو اگر شوہر دے تو اس کی بیوی اس کے لیے ابداً حرام ہو جائے اور بغیر "حلالے" کے جائز نہ ہو۔

۷۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ کا حکم عام مطلقہ کے لیے نہیں۔ یہ صرف مختلعہ کے لیے ہے جو کچھ مال دے کر اپنے شوہر سے طلاق خرید تی ہے اور اسے خلع کہتے ہیں۔

۸۔ مختلعہ کے لیے عدّت نہیں جس طرح غیر ممسوسہ کے لیے عدّت نہیں۔

۹۔ مختلعہ اگر عقد ثانی کرے اور پھر اس شوہر ثانی سے بھی طلاق لے لے تو شوہر اوّل سے پھر نکاح کر سکتی ہے۔ اس کے لیے شوہر ثانی سے مکمل مواصلت کے بعد طلاق حاصل کرنا ضروری نہیں۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ میں صرف مناکحت شرط ہے۔ مواصلت کی کوئی شرط نہیں۔ جس روایت سے یہ اضافہ کیا جاتا ہے وہ روایت صحیح نہیں۔

۱۰۔ ایسی کسی طلاق بائنہ ــــ غیر مغلظہ یا مغلظہ ــــ کا کوئی وجود نہیں جو بیوی کو فوراً زوجیت سے الگ کر دے۔ بجز اس طلاق کے جو خلع کرانے والی اور غیر ممسوسہ کو دی جائے۔

۱۱۔ طلاق رجعی دے کر رجوع کرنے کے بعد وہ دی ہوئی طلاق کالعدم ہو جاتی ہے۔ اگر اس کے بعد پھر کوئی طلاق دے تو یہ دوسری طلاق نہیں ہوگی بلکہ حقِ طلاق کا استیناف ہوگا ورنہ چاہیے کہ پہلی طلاق کے ساتھ اس کی گذاری ہوئی عدّت بھی شمار کی جائے۔ جب اس عدّت میں استیناف ہوتا ہے تو طلاق میں بھی از سر نو استیناف ہوگا۔

ان تمام باتوں پر ہر جگہ بڑی علمی و عقلی بحثیں کی گئی ہیں۔ صرفی و نحوی اور ادبی نکات کی وضاحت کی گئی ہے اور پوری جرأت و حریت فکر کے ساتھ بات واضح کی گئی ہے۔ باتیں چونکہ اب تک کے مسلمات کے خلاف جاتی ہیں اس لیے پڑھنے والے کو ذرا حیرت اور پریشانی ہوتی ہے۔ لیکن ایک تو قرآنی حقائق کسی دور میں بند نہیں۔ دوسرے اگر مولانا ممدوح کی یہ تفسیر تسلیم کر لی جائے تو بہت سی فقہی الجھنیں بھی دور ہو جاتی ہیں۔

روایات پر تنقید اور فن رجال کے مباحث تو مولانا کا خاص حصہ ہے جس کی جھلک جا بجا اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ مثلاً وہ سوال کرتے ہیں کہ ایک طرف تو ہم لوگ یہ مانتے ہیں کہ عہد نبوّت میں، دورِ صدیقی میں اور دو سال تک دورِ فاروقی میں تین طلاقیں بیک

مجلس رجعی سمجھی جاتی تھیں۔ سیدنا عمر رضؓ نے اسے مغلظہ قرار دیا۔ دوسری طرف زوجہؓ رفاعہ رضؓ والی حدیث عسیلہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کو تین طلاقیں دی گئیں تو رفاعہ رضؓ کے پاس لوٹنے کے لیے یہ شرط لگائی گئی کہ دوسرے شوہر سے مکمل مواصلت کر کے طلاق حاصل کی جائے۔ بتایئے ان دونوں روایتوں میں کون سی روایت صحیح ہے؟

مولانا کی نگاہ بڑی عمیق ہے مگر تحریر عموماً اتنی الجھی ہوئی اور اوق ہوتی ہے کہ بعض اوقات کئی کئی بار پڑھنے کے بعد بھی مفہوم سمجھنے میں شک رہ جاتا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو صـ۱۲۲ کی یہ عبارت:

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ اذا جس جملہ شرطیہ پر آیا ہو اس کی شرط استغراق زمانی اور اس کی جزا بزمانہ وقوع شرط اپنے وجوب وقوع کے مفہوم سے جو اس کے مسند الیہ کے کل افراد پر علی سبیل الاستغراق حاوی ہو گا ۔ ۔ ۔ ۔"

کتاب کے ۲۶ ابتدائی صفحات ایسے ہیں کہ ان کے بغیر بھی بات مکمل ہو سکتی تھی۔ مولانا کا لب و لہجہ بعض جگہ خاصا تیز ہو گیا ہے جو ہمارے نزدیک پسندیدہ نہیں لیکن اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ مولانا کو قرآن سے عشق ہے اور جہاں انھیں کوئی بات عظمت قرآن کے خلاف نظر آتی ہے وہاں ان کے لیے برداشت کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ بہر کیف کتاب اپنی جگہ بالکل اچھوتے اور دقیق علمی مباحث پر مشتمل ہے۔ اگر اس کی زبان سہل کر دی جائے اور غیر متعلق باتوں کو جو مطالعے کے تسلسل میں حائل ہو سکتی ہیں الگ کر لیا جائے تو افادی پہلو بہت زیادہ ہو جائے گا۔ عام قارئین و اہل علم کے لیے یہ بہر نوع ایسے غور و فکر کی مستحق ہے جو فکری جمود سے خالی ہو۔